جنگ پرستوں کے درمیان فیض امن میلہ

تحریر: سہیل احمد لون

برطانیہ میں مقیم پاکستانیوں کی تعداد اب اتنی ہو چکی ہے کہ انہوں نے پردیس میں بھی ایک چھوٹا سا پاکستان بنا رکھا ہے۔اس لیے مذہبی اور قومی تہواروں کو مناتے ہوئے غریب الوطنی کا احساس بھی کم ہوتا ہے۔اہل رجحان دنیا کے کسی بھی خطے میں ہوں وہ کبھی بھی اپنی ثقافت اور ادب سے دستبردار نہیں ہوتے۔اسی وجہ سے اکثر کتب کی تقریباتِ رونمائی،اور مشاعروں میں جانے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ادب کھانے پینے کی طرح ہر شخص کی ضرورت نہیں۔اس کے لیے اللہ تعالی نے خاص دل مخصوص کیے ہوتے ہیں،سو"یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا"لہذا اس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد بھی اہل کتاب پیغمبروں کی طرح کم ہی ہوتی ہے۔شیکسپیئر کے دیس برطانیہ کے دارلحکومت لندن میں ادبی تنظیموں کی تعداد ڈھاکہ کی مساجد سے یقیناً زیادہ ہی ہے۔ملکہ کے شہر لندن میں ادبی محافل خصوصاً مشاعرے وطن عزیز میں مہنگائی کی طرح سدا بہار ہیں۔لندن کے مشاعروں کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں تمام حاضرین صرف سامعین ہی نہیں ہوتے بلکہ تمام شاعر ہونے کا دعوی بھی کرتے ہیں اور اس کا اظہار وہ اپنی باری آنے پر کرتے ہیں۔شاعر حضرات باری باری اپنا اکلام سنا کر اور داد دینے کے بعد اگلے مشاعرے تک سرشار پھرتے رہتے ہیں۔وطن عزیز کے ایک نامور صدارتی ایوارڈ یافتہ شاعر کے اعزاز میں تقریب میں ایک بار شرکت کرنے کا اتفاق ہوا تو یہ دیکھ کر حیرانی اور شرمندگی بھی ہوئی کہ میڈیا اور منتظمین کے علاوہ سامعین کی تعداد بمشکل ایک درجن تھی۔یہاں ادبی تقاریب میں حاضرین کی تعداد مایوس کن حد تک کم ہے اس کی سائنسی وجہ شاید یہ ہو سکتی ہے کہ انٹرنیٹ کی سہولت موبائل پر ہونے سے ہر بے روزگار شغل بیکار میں مصروف ہو گیا ہے۔انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا نے ان سب کو"کام"پر لگا دیا ہے۔یورپ اور برطانیہ میں مصروفیت کا یہ عالم ہے کہ لوگوں کے پاس زندہ رہنے کا بھی وقت نہیں۔یہاں لوگوں نے براق سے ریس لگا رکھی ہے،اشرف المخلوقات نے اپنے آپ کو اشرف ثابت کرنے کے لیے دوڑا چلا جا رہا ہے،پھر یک لخت سب کچھ رک جاتا ہے جیسے کسی کا کچھ تھا ہی نہیں۔نفسانفسی کے دور میں پیار،محبت،خلوص اور ادب کے رشتے جنس نایاب ہوتے جا رہے ہیں۔ترقی یافتہ دور میں ادب وہ نایاب چیز ہے جس کے لیے آج کے بزرگ ترستے ہیں۔جہاں بزرگوں کا ادب کمیاب ہو جائے وہاں ادب بھی برائے ادب رہ جاتا ہے۔اگر ان حالات میں ملکہ کے شہر لندن کے مشرقی علاقے Stratford circus & Art centre میں سینکڑوں لوگ £20 کی ٹکٹ خرچ کریں اور وہاں پر کھانے پینے کی چیزیں بھی فری دستیاب نہ ہوں بلکہ جیب ہلکی کرنی پڑے تو یہ اس بات کی معتبر دلیل ہے کہ شاعر کی شخصیت اور اس کے کلام میں ایسی کوئی بات تو ضرور ہو گی جسے سننے کے لیے لوگ اپنا قیمتی وقت اور پیسہ خرچتے ہوئے دریغ نہیں کرتے۔یہ فیض کا جاری فیض ہے جس سے فیض یاب ہونے کے لیے تمام مکاتب فکر لوگ گزشتہ ہفتے کی شب فیض کلچر فاؤنڈیشن کی کاوش سے فیض امن میلہ میں شریک ہوئے۔برطانیہ میں ہونے والی دیگر ادبی محافل پر فیض امن میلے کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ اس میں شرکاء کا نظم وضبط قابل ستائش ہوتا ہے۔گزشتہ برسوں کی روایت برقرار رکھتے ہوئے اس سال بھی فیض کلچر فاؤنڈیشن نے اپنی پیشہ وارانہ مہارتوں کا ثبوت دیتے ہوئے پروگرام کو

بہت احس طریقے سے ترتیب دیا۔ اس کے لیے تمام منتظمین خصوصاً ایوب اولیاء، عاصم علی شاہ، ثقلین امام، شاہد دستگیر خان، اکرم قائم خانی، شفیق الحق، پلوشہ بنگش، ملائکہ کاظمی، عامت مختار اور عبداللہ قریشی شامل ہیں۔ نجی چینل اے۔ آر وائے اور ہفت روزہ اخبار دی نیشن کے تعاون کا بھی کیمونٹی میں فیص کا پیغام پہنچانے میں حصہ ڈالنا ایک قابل ستائش عمل تھا۔ اس تقریب میں فیض احمد فیض کی تین نسلوں کو ایک ساتھ دیکھنے اور ان کو سننے کا موقع بھی ملا۔ فیض احمد فیض کے نواسے عدیل ہاشمی، ان کی صاحبزادی منزہ ہاشمی، ڈاکٹر عبدالرحمٰن، جسٹس ریٹائیرڈ وجیہہ الدین، میاں افتخار راہنماء عوامی نیشنل پارٹی، واجد شمس الحق، ڈاکٹر اسرار احمد، ندیم سید اور ایوب اولیاء سمیت دیگر نے بھی خطاب کیا۔ اس کے علاوہ فنکاروں نے اپنے فن کا مظاہرہ بھی کیا جن میں گلوکارہ سائرہ، عزیز ابراہیم، بلیر سنگھ رتن وغیرہ شامل تھے۔ اس پروگرام میں مشہور ادبی، سیاسی، سماجی شخصیات کے علاوہ میڈیا ممبران نے بھرپور شرکت کی، فیض کی محبت نے چند گھنٹوں کے لیے سب کو یکجا کر دیا۔ پروگرام کی کامیابی دیکھ کر یہ بات عیاں ہے کہ ترقی پسند سوچ اور افکار ہی سماج کے ارتقاء میں سب سے زیادہ اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ماؤزے تنگ نے کہا تھا کہ ''تم ایک دریا میں دوبار نہیں نہا سکتے''۔ سمے کا پنچھی ہر لمحے کھلی فضاؤں میں آگے بڑھتا رہتا ہے بالکل اسی طرح جیسے فیض کی سوچ اگلی نسل میں منتقل ہو رہی ہے۔ پاکستان کے موجودہ حالات کو درست کرنے کا آسان ترین حل بھی یہی ہے کہ ریاست ترقی پسند سوچ کے ساتھ کھڑی ہو، یہ وقت کی ضرورت بھی ہے اور اکیسویں صدی کا تقاضا بھی۔ اس وقت مٹھی بھر انتہاء پسندوں نے خدا کے نام پر خدا کی مخلوق کا قتل عام کر کے پاکستان اور اسلام کا چہرہ مسخ کیا ہوا ہے۔ اندھیرا دور کرنے کے لیے اجالا کرنا لازمی ہوتا ہے اسی طرح انتہاء پسند سوچ کو ختم کرنے کے لیے ترقی پسند سوچ کو فروغ دینا بہت ضروری ہے۔ فیض احمد فیض، حبیب جالب اور استاد دامن جیسے شعراء کو ترقی پسند سوچ کی وجہ سے اپنی زندگیوں میں بہت سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے اپنا ضمیر اور قلم کبھی نہیں بیچا۔ انتہاء پسندوں کی تعداد کم مگر وہ بہت منظم ہو کر کام کرتے ہیں ان سے نبٹنے کے لیے ترقی پسندوں کو بھی منظم ہو کر کام کرنا ہوگا۔ آگے بڑھنا ہوگا کیونکہ یہی فیض کی شاعری کا پیغام ہے۔ ہمیں ابھی آگے بڑھنا ہے، اور آگے بڑھنا ہے، بہت آگے تا کہ ہم اس صبح نور کو دیکھ سکیں جس کے لیے ہمارے آباؤ اجداد نے کتنے ہی خون کے دریا عبور کیے تھے۔ فیض امن کا شاعر تھا، رنگ اور پھولوں کا شاعر تھا، پیار اور محبت کا شاعر تھا مگر آج فیض کا دیس اسی فکر اور سوچ کی نذر ہو رہا ہے جس سے فیض نے ہمیشہ حکمرانوں اور بالا دست طبقے کو آگاہ کیا تھا۔ وہی جبر کی سیاہ رات ہے اور وہی انسان کی قسمت۔ کچھ نہی بدلا اگر کچھ بدلا ہے تو نئے طبقات اور جبر کے نئے طریقے۔ سو ہمیں نئے فیض کی بھی ضرورت ہے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ایسے پروگرام وطن عزیز کے ہر شہر میں بھی ہوں جیسے شیکسپیئر کے دیس میں منعقد ہوتے رہتے ہیں لیکن شاید وہ کچھ طاقتوروں کو ابھی قابل قبول نہیں لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ فیض نے عمر بھر اسی طاقت کیخلاف ہی تو لکھا اور بولا ہے۔ اگر طاقت کی بنیاد پر افکار اور ریاستیں قائم رہتیں تو دنیا میں آج بھی خاندانِ فراعنہ کی حکومت ہوتی۔ ہر طاقت ور نے آخر کار مضبوط فکر کے آگے سرنگوں ہونا ہی ہوتا ہے لیکن مایوسی وہاں پھیلتی ہے جب لوگ تبدیلی کا تعین اپنی عمر کے ساتھ کرتے ہیں اور سوچتے ہیں جو پودا ہم لگا رہے ہیں یہ ہماری زندگیوں میں تن آور نہیں ہوگا لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ جن تن آور درختوں کے سائے میں انہوں نے عمر گزار دی ہے وہ بھی انہوں نے نہیں لگائے تھے۔ ہمیں ارتقاء میں اپنا حصہ ڈالنا ہے۔ خواجہ جمشید امام نے فیض احمد فیض پر اپنی تنقیدی مضمون میں لکھا

ہے: ''فیض کی شاعری مارکسی فلسفے کی جمالیاتی تشریح ہے'' جب طاقتوروں کو مارکس اور جمالیات سے نفرت ہے تو پھر فیض کی شاعری اور ایسے پروگراموں بارے اُن کی رائے کیسے مثبت ہوسکتی ہے لیکن پاکستانی ریاست کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنی آنے والی نسلوں کو فیض سے روشناس کروائے ورنہ دہشتگرد تو لاہور کے گلی کوچوں میں گھس چکے ہیں اور دعوت کا کام جاری ہے۔جن کو بارود کی بدبو اچھی اور ہنستا ہوا بچہ برا لگے اُن سے جنگ کی امید کی جاسکتی ہے امن کی نہیں اور امن بھوکے ننگوں کی ضرورت ہوتی ہے جب کے عالمی سرمایہ داری کیلئے جنگ انڈسٹری ہے اور کوئی بھی سرمایہ دار اپنے سرمائے کیلئے دار تک تو جا سکتا ہے لیکن سرمائے سے دستبردار نہیں ہوسکتا۔ رہی بات ایسے پروگراموں کی مخالفت کرنے والوں کی تو اُن کی آواز اب اتنی توانا نہیں رہی جتنی سرد جنگ کے دوران تھی۔سو اس بجھتے ہوئے چراغ کو آخری بار بھڑکنے کا حق تو ہے نہ۔۔۔۔۔۔فیض نے تو کہا تھا کہ

گر آج اوج پر ہے طالع رقیب تو کیا
یہ چار دن کی خدائی تو کوئی بات نہیں

تحریر: سہیل احمد لون
سربٹن۔سرے
sohailloun@gmail.com

16-10-2015